© rasailojaraid.com

حسین محمد جعفری کی علم وفراست اور تاریخی بصیرت سے انکار کر سکتا ہے؟ اس پایہ کے اور بھی کئی اہلِ علم ہیں جو کراچی کی صدائے درد ناک کا شدت سے احساس رکھتے ہیں اور ہمیں ہماری آستینوں میں چھپے ہوئے نفرت وتشدد کے خنجر سے نجات بھی دِلا سکتے ہیں۔ فھل من مدکر؟

علامہ محمد طالب مضطر عباسی کی وفات

لیجیے۔ علامہ مضطر عباسی بھی ۲۶ر فروری ۲۰۰۴ء کو سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے۔ اور مجھے پیغام دے گئے کہ اب تم بھی کوچ کی تیاری کرو۔

سودا پئے دنیا تو بہر سو کب تک
آوارہ ازین کوچہ بہ آں کو کب تک

مضطر صاحب ان چند لوگوں میں سے تھے، جن سے دوستی کا رشتہ کالج کے دِنوں میں قائم ہوا۔ خاکسار ۱۹۵۲ء میں مرحوم جامعہ عباسیہ، بہاولپور سے فارغ ہو کر جامعہ ہی کی ایک دوسری شاخ میں داخل ہوا تھا کہ مضطر بزم میں آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے 'رونقِ بزم' بن گئے۔ وہ جامعہ کی آخری کلاس 'ثالثہ علامہ' (B.A.) میں داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک اور ساتھی خواجہ نظام الدین جو بنارس کے تھے، داخل ہوئے۔ ہم تینوں میں علیک سلیک کے بعد بات دوستی تک پہنچ گئی۔ مضطر صاحب خوب صورت نوجوان تھے۔ ان کی چمکتی آنکھیں ان کی ذہانت کی خبر دیتی تھیں۔ زبان میں ہلکی سی لکنت تھی۔ لیکن جب تقریر کرتے تو لکنت رخصت ہو جاتی۔ جامعہ عباسیہ کی تاریخ میں یہ شاید پہلا واقعہ تھا کہ مری سے آنے والے نوجوان مضطر اپنے ساتھ مارکس، لینن اور دوسرے ترقی پسند حضرات کی تحریریں ساتھ لایا۔ مارکس کی سرمایہ، ایک مشکل کتاب ہے۔ لیکن مضطر کو اس کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاکسار کو اس زمانے میں بالِ جبریل کا ایک بڑا حصہ اور خاص طور پر لینن خدا کے حضور، زبانی یاد تھا۔ خواجہ نظام الدین جمعیتِ اسلامی سے متاثر تھے۔ اور ادبی رسائل ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔ اگر فاران، کراچی میں کوئی مضمون ابوالکلام آزاد کے خلاف چھپتا تو خواجہ صاحب نہ صرف خود پڑھتے، بلکہ ہم سے بھی کہتے کہ تم بھی پڑھو۔

جب خاکسار نے ۱۹۴۹ء میں جامعہ عباسیہ میں داخلہ لیا۔ اس وقت مولانا عبیداللہ شیخ الجامعہ (پرنسپل) تھے۔ مولانا صحیح معنوں میں عالم تھے اور سوزِ دروں کے مالک، شریعت اور طریقت دونوں سے گہرا تعلق تھا۔ ابنِ عربی کی فتوحات مکیہ پر عبور رکھتے تھے۔ خاکسار نے ان سے حدیث کی معروف کتاب ابوداؤد پڑھی۔ مولانا عبیداللہ کے بعد مولانا محمد ادریس کاندھلوی تشریف لائے، مولانا بھی درویش آدمی تھے۔ ان سے خاکسار نے صحیح بخاری پڑھی۔ ایک دفعہ اُنہوں نے صحیح بخاری پر اپنے مطبوعہ نوٹس طالب علموں کو دیئے، جب خاکسار نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا تو مولانا نے فرمایا ادب کا تقاضہ ہے کہ دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر یہ کتابچہ وصول کرو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مولانا سراپا علم تھے اور انکساری وفروتنی کی تصویر۔ یہ لوگ کہاں چلے گئے؟ "اب ڈھونڈ انہیں، چراغِ رُخِ زیبا لے کر۔"

مولانا محمد ادریس کے بعد مولانا محمد ناظم ندوی تشریف لائے۔ ہر چند ان کا تعلق مولانا عبیداللہ اور مولانا محمد ادریس کے قبیلہ سے نہیں تھا۔ لیکن وہ عربی ادب کا ذوق رکھتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ طالب علم مسائلِ حاضرہ سے بھی آگاہ رہیں۔ ایک دِن اُنہوں نے اسی سلسلہ میں مضطر عباسی اور خاکسار سے کہا کہ جامعہ عباسیہ میں ایک مذاکرہ کا اہتمام کرنا چاہیے جس میں طالب علم اس موضوع پر بحث کریں کہ اشتراکی معیشت ایک فلاحی معیشت ہے، اسے اپنانا وقت کا تقاضہ ہے، یا ہمیں اسلامی معیشت ہی کو اختیار کرنا چاہیے۔ اس مذاکرہ کے لیے طے ہوا کہ مضطر عباسی اور خاکسار اشتراکی معیشت پر بولیں اور محمد اجمل لغاری جو صادق گورنمنٹ کالج میں شاید B.A. کے طالب علم تھے، اور خواجہ نظام الدین اسلامی معیشت کے حق میں بولیں گے۔ صادق کالج میں عربی کے استاذ پروفیسر رحمت اللہ شاہ، ان کے (محمد ناظم ندوی) ساتھ حکم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوں گے۔ چنانچہ جامعہ عباسیہ میں مذکورہ موضوع پر مذاکرہ ہوا۔ دونوں طرف سے اپنے اپنے موضوع پر دلائل دیئے گئے۔ آخر میں اہلِ محفل یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ مولانا ندوی اور پروفیسر رحمت اللہ شاہ نے اپنا فیصلہ سناتے وقت کہا کہ ہم نظری طور پر اشتراکیت کے مخالف ہیں۔ اور ہمارے لیے اسلامی معیشت کو اختیار کیے بغیر چارہ نہیں۔ لیکن یہاں جو مذاکرہ ہوا ہے۔ اس میں مسٹر اجمل لغاری اور نظام الدین اپنے موضوع پر پوری تیاری کر کے نہیں آئے تھے۔ ان کے برعکس اشتراکیت کی حمایت میں بولنے والے (مضطر عباسی اور خاکسار) اپنے موضوع پر اپنے فریقِ مخالف سے بہتر طور پر بولے ہیں۔ چنانچہ 'فنی نقطۂ نظر' سے اس فریق کو کامیاب قرار دیا جاتا ہے۔

اس فیصلہ پر مضطر صاحب اور خاکسار بہت خوش ہوئے۔ اور محمد ناظم ندوی کی غیر جانبداری کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ بے شبہ وہ ایک مخلص عالم تھے۔ اپنی ذمہ داری کا اخلاقی شعور بھی رکھتے تھے۔ صحیح بات یہ ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں جو توڑ پھوڑ ہے، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم ژولیدگی فکر کا شکار ہیں اور اخلاقی شعور کے گہرے احساس سے محروم!

اس درازنفسی سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مضطر عباسی طالب علمی کے دور میں بھی ایک سنجیدہ طالب علم تھے۔ اور بلند اخلاق جب ۱۹۵۳ء میں خاکسار بہاول پور کی وزارتِ تعلیم کی طرف قاہرہ اور پھر لندن چلا گیا اور پندرہ سال کے بعد واپس پاکستان آیا تو مضطر عباسی سے ملنا ہوا، یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ وہ ایک ذمہ دار استاد کی حیثیت سے پڑھانے کے بعد فارغ ہو گئے ہیں۔ لیکن ان کا علمی سفر برابر جاری رہا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تبلیغی جماعت کے ساتھ بھی کام کرتے تھے۔ ایک ہی وقت میں مارکس اور مولانا الیاس دہلویؒ دونوں سے نبھاؤ کرنا یہ بس انہیں کا کمال تھا۔ یہ دیکھ کر ازحد مسرت ہوئی کہ اُنہوں نے قرآن مجید کے پیغام کو اسپرنتو زبان میں منتقل کر دیا۔ ادھر کچھ عرصہ قبل جب ہم نے تراجم قرآن کے نام سے مرحوم مولانا ابوالخیر مودودی کا ایک قیمتی مقالہ المعارف دسمبر ۲۰۰۱ء میں شائع کیا تو خاکسار نے اس ترجمے کا ذکر کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے لکھا:

"اسپرانتو بیسویں صدی کی نئی زبان ہے، جسے آج کے پندرہ کروڑ انسان باہمی رابطہ کے لیے استعمال کرر ہے ہیں۔ اس نئی زبان میں قرآنِ مجید کے پیغام کو منتقل کرنے کا سہرا ہمارے فاضل دوست علامہ مضطر عباسی کے سر ہے۔ مضطر عباسی نے ۱۹۵۲ء میں جامعہ عباسی (بہاول پور) میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اس عہد میں مفتی محمد صادق اور مولانا عبیداللہ جیسے اصحابِ فکر ونظر جامعہ عباسیہ میں رونق بزم تھے۔ مضطر صاحب کی زندگی حرکت اور غیرت سے عبارت ہے اور یہی وہ عطیۂ خداوندی ہے جو بہ قولِ اقبال: 'پہناتی ہے درویش کو تاجِ سردارا'

یہ حسنِ اتفاق ہے کہ وہ جامعہ میں خاکسار کے ساتھی تھے۔ البتہ وہ بعد میں صحرا کی طرف نکل گئے اور ہم کوچہ ہا میں رسوا ہوئے۔"

مضطر صاحب چلے گئے، جی ہاں! چلے گئے، لیکن

'نہ از دلِ ما'

رشید احمد (جالندھری)

© rasailojaraid.com